صِہرُ النبی سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ

ابو سفیان تائب

نام ونسب:

سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ رحمتِ دوعالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہیر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ ان کا نام صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ہے۔ ان کی مشہور کنیت ابوسفیان ہے اور ابوحنظلہ غیر مشہور کنیت ہے۔ آپ فاتح روم وشام خلیفۂ خامس وراشد امیر المؤمنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قبیلہ کے ساتھ چوتھی پشت یعنی عبد مناف کے ساتھ جا کر آپ کا نسب مل جاتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی رشتہ داری:

خاندانِ نبوت سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی قرابت داری کا اندازہ اس رشتے سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی ''رملہ'' جو کہ اُم حبیبہ کی کنیت سے معروف تھیں۔ سیدالانبیاء، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں تھیں اور انھیں اُم المؤمنین ہونے کا شرفِ عظیم حاصل ہے۔ سیدہ اُم حبیبہ بنتِ ابوسفیان عنہا قدیم الاسلام تھیں اور انھوں نے اپنے سابق زوج (عبداللہ بن جحش) کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ عبداللہ بن جحش وہاں جا کر اسلام سے منحرف ہوکر نصرانی ہوگیا تھا اور وہیں حبشہ میں اس کی موت واقع ہوئی۔ اس کے بعد حبشہ کے بادشاہ اَصحَمہ نجاشی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام پر سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ نکاح ۶ھ یا ۷ھ میں ہوا تھا۔ ابوسفیان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا بڑی باوقار اور شریف خاتون تھیں۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ محبت وعقیدت رکھتی تھیں، اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے جس میں مذکور ہے کہ ان کے والد ابوسفیان غیر مسلم ہونے کے دور میں ایک بار مدینہ منورہ آئے۔ اپنی بیٹی سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں ملاقات کے لیے داخل ہوئے اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بچھے ہوئے بستر مبارک پر بیٹھنے لگے تو سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا فوراً اٹھیں اور بستر نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لپیٹ دیا اور کہا کہ آپ اس بستر پر نہیں بیٹھ سکتے۔ یہ پیغمبر کا بستر ہے اور آپ مشرک ہیں تو ابوسفیان نے کہا کہ ہمارے پاس سے آنے کے بعد تیرا مزاج بگڑ گیا ہے۔ (الاصابہ: ص۲۹۹، ج۴/ طبقات ابن سعد: ص۷۰، ج۸)

سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا شرفِ زوجیت اور خدمت گزاری کی سعادت حاصل رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے بہت مدت بعد ۴۴ھ میں ان کا انتقال مدینہ طیبہ میں ہوا۔ اور باقی ازواجِ مطہرات کے ساتھ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ خاندان نبوی کے ساتھ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی دوسری رشتہ داری

کچھ اس طرح تھی کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی نواسی لیلیٰ بنت ابی مرۃ بن عروہ بن مسعود ثقفی، نواسۂ رسول سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔ جن کے بطن سے علی اکبر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور میدانِ کربلا میں جام شہادت نوش فرمایا۔ اس رشتہ داری کی شہادت شیعہ اور سنی مؤرخین نے برابر دی ہے۔ (منتخب التواریخ محمد ہاشم خراسانی، باب پنجم، ص ۲۷۱، مطبوعہ جدید تہران، منتہی الآمال ص ۴۶۴، ج اوّل طبع تہران تاریخ خلیفہ بن خیاط ص ۲۲۵، الجز الاوّل)

مندرجات بالا کی روشنی میں واضح ہو کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوسفیان کے داماد ہیں اور جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر ہیں۔ نیز واضح ہو کہ ابوسفیان کی دختر زادی یعنی نواسی مسماۃ لیلیٰ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی زوجہ کے نانا ہوئے اور لیلیٰ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھانجی ہوئیں۔ اس طرح اس مبارک خاندان کے ساتھ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا باہمی قرابت کا تعلق دائماً قائم ہے جو اسلامی تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ سے ثبت ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کوئی فرضی افسانہ نہیں ہے۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہم نشینی۔ قبائلِ عرب کے قدیم مراسم کے مطابق بنی ہاشم اور بنو امیہ کے اکابر آپس میں دوستی رکھتے تھے۔ قبائل کا یہ دیرینہ دستور ہے کہ ایک قبیلہ کے رؤساء دوسرے خاندان کے عظماء کے ساتھ مراسم قائم رکھتے تھے۔ جیسا کہ ابی جعفر محمد بن حبیب بغدادی اپنی کتاب المحبر کے صفحہ ۱۷۴ پر لکھتے ہیں کہ دورِ جاہلیت میں جناب ابوطالب کے مراسم مسافر بن ابی عمرو بن امیہ کے ساتھ تھے۔ ان دونوں حضرات کو باہم ندیم اور ہم نشین کہا جاتا تھا۔ اتفاق سے مسافر کا انتقال ہوگیا۔ مصعب الزبیری نے اپنی کتاب نسب قریش میں صفحہ ۱۳۶ پر لکھا ہے کہ ابوطالب نے مسافر کی وفات پر مرثیہ بھی کہا تھا جو کتاب الاغانی میں ابوالفرج اصبہانی نے نقل کیا ہے۔

اسی طرح ابوسفیان (اموی) حضرت عباس بن عبدالمطلب (ہاشمی) کے ہم نشین اور مجلسی تھے۔ ان دونوں حضرات کی مصاحبت اور ہم نشینی مؤرخین نے بڑی تفصیل سے ذکر کی ہے: **وکان ابوسفیان بن حرب ندیماً للعباس بن عبدالمطلب** (کتاب المحبر ص ۱۷۵/ الاستیعاب ص ۸۶، ج ۴/ اسد الغابہ ص ۲۱۶، ج ۵)

سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام:

ابوسفیان بن حرب اسلام لانے سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل اسلام کے سخت مخالف تھے۔ قریش مکہ کی قیادت کرتے ہوئے عداوت میں پیش پیش رہتے تھے۔ ابوسفیان نے غزوۂ احد، غزوۂ احزاب میں مسلمانوں سے پوری مخاصمت کا ثبوت دیا تھا اور قدم قدم پر اہل اسلام کے لیے عناد و فساد برپا کرنا ان کا شیوہ تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ جو کہ ابوسفیان کے ہم نشین اور مجلسی تھے۔ فتح مکہ سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔ جب فتح مکہ کے لیے لشکرِ اسلام مکہ سے باہر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کے متعلق کوشش کی اور ترغیب دلائی کہ وہ ضرور دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ چنانچہ ان کی اس دیرینہ دوستی کا اثر ظاہر ہوا اور ان کی ترغیب سے ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ علامہ ذہبی نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے واقعہ ''المنتقیٰ'' میں اس طرح بیان کیا ہے کہ ابوسفیان فتح مکہ کے موقع پر حالات کی جستجو کے لیے جب مکہ سے باہر نکلے تو سیدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھ لیا اور انھیں پکڑ لیا اور سواری پر اپنے پیچھے سوار کر لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا کر حاضر کر دیا۔ رسولِ

رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور ترغیب پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوگئے۔

دار ابوسفیان……دار الامن:

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی تقدیر بدلی اور بخت یاور ہوا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے لیے شرف وفضیلت حاصل کرنے کے طور پر عرض کیا کہ ابوسفیان شرف وفضیلت اور افتخار کو پسند کرتے ہیں۔ آپ ان کو شرف وفضیلت کی چیز عنایت فرمائیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی سفارش پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر مہربانی فرماتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص ابوسفیان کے مکان میں داخل ہوجائے گا تو اسے امان حاصل ہے اور جو اپنا دروازہ بند رکھے گا۔ اسے بھی امان دی جاتی ہے جو مسجد میں داخل ہوجائے گا۔ وہ بھی مامون ہے:

قال العباس قلت یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اباسفیان رجل یحب ھذا الفخر فاجعل لہ شیئا قال نعم ومن دخل دار ابی سفیان فھو امن ومن اغلق بابہ فھو امن ومن دخل المسجد فھو امن.

(سیرت ہشام ص۴۰۳، ج۲/ طبقات ابن سعد ص۹۸، ج۲/ نسب قریش ص۱۲۲، ذکر ولد حرب بن امیہ)

حافظ ابن حجرؒ نے اس موقع پر ثابت البنانی سے مزید ایک چیز یہ ذکر کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ تشریف لاتے تو ابوسفیان کے مکان میں تشریف لایا کرتے۔ یہ ایک مستقل فضیلت کی چیز ہے جو اعزاز کے طور پر ان کو حاصل ہوئی۔ (الاصابہ۔ ص۱۷۳، ج۲)

غزوات میں شرکت، مجاہدانہ کارنامے اور پُرخلوص قربانیاں:

فتح مکہ کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کی تیاری فرمائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد اس جنگ میں شریک ہوئی۔ اہل حنین کے ساتھ بڑا مقابلہ ہوا۔ آخر کار اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اہل اسلام کو فتح نصیب فرمائی۔ اس غزوہ میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں بیٹے یزید بن ابوسفیان اور معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما بھی شامل وشریک تھے۔

ایک آنکھ کی قربانی:

۸ھ میں فتح مکہ کے بعد دوسرا غزوہ طائف پیش آیا۔ اس غزوہ میں بھی حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کے ساتھ شریکِ جہاد ہوئے۔ جنگ کے دوران ایک شخص سعید بن عبید الثقفی نے نشانہ لگا کر تیر مارا جس سے سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی آنکھ اپنے مقام سے باہر آگئی۔ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ آنکھ اٹھائے ہوئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آپ چاہیں تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیتا ہوں اور آنکھ واپس مل جائے گی اور اگر آپ چاہیں تو جنت میں ملے گی۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا مجھے جنت چاہیے۔ ابن قتیبہ نے المعارف میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی دو آنکھوں کی قربانی پیش کرنا درج کیا ہے۔ ایک آنکھ غزوۂ طائف میں قربان کی تھی اور دوسری جنگ یرموک میں اللہ کے راستے میں قربان کر کے نابینا ہوگئے تھے۔ عمر رسیدہ ہونے کی حالت میں اسلام کی خاطر یہ قربانیاں پیش کرنا اخلاصِ دین کی علامت ہے اور جذبۂ ایثار کی بین دلیل ہے۔

(الاصابہ،ص۱۷۲، ج۲/ کنز العمال،ص۳۰۷، ج۵/ المعارف،ص۱۵)

بت شکنی کے لیے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا انتخاب:

قبیلہ بنی ثقیف جب اسلام لایا تو ان میں ایک بت تھا جس کا نام ''الطاغیہ وہی اللات'' تھا۔ یہ لوگ چاہتے تھے کہ اس کو نہ گرایا جائے مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کو گرایا اور پاش پاش کر دیا جائے۔ اس کام کے لیے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور انھوں نے جا کر اس بت کو گرا کر پاش پاش کر دیا۔ (سیرت ابن ہشام۔ص۵۴۰، ج۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو مقامِ قدید میں ''منات بت'' کو گرانے کے لیے بھیجا تھا۔ انھوں نے اس کو جا کر گرا دیا۔ (الاصابہ مع الاستعیاب،ص۱۷۲، ج۲)

اہل نجران پر عامل بنایا جانا:

نجران والوں کے ساتھ مصالحت ہو جانے کے بعد وہاں مسلمانوں کی طرف سے مختلف امیر اور حاکم بنائے جاتے تھے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو نجران کا عامل اور حاکم بنایا گیا۔ اس چیز کو بہت سے علماء نے تصریحاً درج کیا ہے اور طبری نے مزید وضاحت کی ہے کہ حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نماز کے لیے امام مقرر تھے اور ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ' صدقات وغیرہ پر والی اور امیر تھے۔

منصب ''القاص'' کا تعین:

القاص کے منصب کا مفہوم یہ ہے ک افواج میں خطیب اور لیکچرار کی ضرورت ہوتی ہے جو فوجوں کو موقع بہ موقع قتال پر آمادہ کرتا ہے۔ ان کی ڈھارس بندھانے، ہمت افزائی کرنے اور جذبات ابھارنے کے لیے لیکچر دیتا ہے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جنگ یرموک کے موقع پر اس کام کو بڑے سلیقے سے ادا کیا۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا ایمان افروز خطبہ:

جنگ یرموک میں سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے اہل اسلام کی جماعت تم عرب لوگ ہو، اپنے اہل وعیال سے منقطع ہو کر دارِ عجم میں پہنچ چکے ہو۔ اپنے امیر المومنین اور مسلمانوں کی امداد سے دور ہو چکے ہو۔ ایسے دشمن کے ساتھ تمہارا سامنا ہوا ہے جو تعداد میں تم سے کثیر ہے اور تم پر سخت غضب ناک ہو رہا ہے اور تم نے ان کو ان کے شہروں میں گھیر ادیا ہے اور ان کے بال بچوں کو پریشان کر دیا ہے۔ اللہ کی قسم! تمہیں اس قوم سے نجات نہیں مل سکتی اور تم قیامت میں اللہ کی رضا کو نہیں حاصل کر سکتے۔ بجز مخالفین سے صدقِ دل سے مقابلہ کرنے اور ناگوار مقامات میں استقامت دکھلانے کے ذریعے سے۔ خبردار! لازماً یہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا...... تمہارے اور امیر المومنین کے درمیان اور مسلمانوں کی جماعت کے درمیان صحرا ہیں اور جنگل ہیں۔ ان میں کسی کے لیے جائے پناہ اور لوٹنے کی جگہ نہیں ہے۔ صرف صبر کرنا ہوگا اور جو اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔ اس پر امید رکھنی ہوگی۔ پس وہی اعتماد اور بھروسے کی چیز ہے۔ حفاظت کرو اور قوت پکڑو اپنی تلواروں کے ذریعے اور ایک دوسرے سے تعاون کرو تا کہ یہ تمہارے محفوظ ہتھیار بنے رہیں۔ پھر آپ عورتوں کی طرف تشریف لے گئے اور انھیں وصیت فرمائی کہ جس شخص کو فوج سے پشت دے کر فرار ہوتا ہوا دیکھو تو اسے پتھروں اور

ڈنڈوں سے خوب پیٹو۔حتیٰ کہ وہ فوج کی طرف واپس آجائے پھرلوٹ کرلشکر کے سامنے آکرآواز دی کہ اے اہل اسلام! یہ سنگین حالات سامنے ہیں جوتم دیکھ رہے ہو۔پس یہ رسولِ خدااور جنت تمہارے آگے ہیں۔شیطان اورآتش تمہارے پیچھے ہے۔

بعض دفعہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ فوجی دستوں کے سامنے چکرلگاتے اورفرماتے تھے۔اللہ سے خوف کرو، اللہ سے خوف کرو،تم عرب کی طرف سے مداخلت کرنے والے ہواوراسلام کے امدادی ہواور وہ روم کی طرف سے دفاع کرنے والے ہیں اورشرک کے امدادی ہیں۔اے اللہ! تیرے ایام میں سے یہ بڑااہم یوم ہے۔اپنے بندوں پراپنی خاص نصرت ورحمت نازل فرما“**اللھم انزل نصرک علیٰ عبادک الخ** سعید بن حسیب اپنے باپ سے ذکرکرتے ہیں کہ جنگ یرموک کے دن ایک موقع پرسب آوازیں خاموش ہوگئیں مگرایک آواز آرہی تھی کہ”**یا نصر اللّٰہ اقترب**“یعنی اے اللہ کی مددقریب ہو۔میں نے نظر اٹھاکر دیکھا تو وہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے جواپنے فرزند یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے جھنڈے تلے کام کررہے تھےاور مذکورہ دعائیہ کلمات زبان پر جاری کیے ہوئے تھے۔(کتاب نسب قریش، ص۱۲۲/ البدائیہ لابن کثیر،ص۱۴، ج۷/تہذیب التہذیب لابن حجر،ص۴۱۱، ج۴)

اکابرصحابہؓ میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا مقام:

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعدبھی بڑے احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ان کے حق میں قلیل ایام تالیف قلب کے شمارکیے جاتے ہیں لیکن نسبی شرافت اورطبعی صلاحیتوں کے پیش نظر دورِنبوت میں ان کواہم مقام حاصل تھا۔اس کے بعدبھی اکابرصحابہؓ ان کی بڑی عزت وتوقیرکرتے تھے۔چنانچہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ’حضرت ابوسفیانؓ کابڑااکرام واحترام کرتے تھے۔اس لیے کہ یہ اپنے قبیلہ بنوامیہ کے سرداروں میں سے تھے اوراپنے خاندان کے رئیس تھےاوراسلام میں یہ قاعدہ ہے کہ جوجاہلیت میں پسندیدہ اوربہترین لوگ متصور ہوتے تھے‘وہ اسلام لانے کے بعدبھی اسلام میں پسندیدہ اوربہترین ہیں:

خیارھم فی الجاھلیة خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا و کان عمر یحترمہ‘ وذالک لِاَنّہ‘ کان کبیر بنی امیہ۔(سیراسلام النبلاللذہبی،ص۹۷، ج۲)

کبارعلماءفرماتے ہیں کہ حضرت ابوسفیانؓ جب اسلام لائے توان کاشمارمؤلفة القلوب میں تھالیکن اس کے بعد ان کااسلام نہایت صحیح اور پختہ رہا۔انھوں نے دورِنبوت میں اسلام کے بڑے بڑے کارنامے اوراہم امورسرانجام دیئے۔ حضورِاقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے تحت کئی مقامات میں امیراورحاکم متعین رہے۔خصوصاً یرموک میں توان کے اعمال وکردارنہایت قابل ستائش ہیں۔(البدائیہ لابن کثیر،ص۱۷، ج۸)

وفات:

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اپنی آخری عمر میں کچھ زمانہ تو مکہ مکرمہ میں مقیم رہے۔اس کے بعدمدینہ منورہ میں اقامت اختیارکرلی تھی اور مدینہ شریف میں ہی ان کاانتقال ہوا۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کادورِخلافت تھا۔مؤرخین نے ان کی وفات ۳۱ھ میں لکھی ہے۔بعض نے ۳۲ھ اور۳۴ھ تک ذکرکیاہے۔قول اوّل یعنی ۳۱ھ زیادہ مشہور ہےاورعام تذکرہ نویس اس کوتحریرکرتے ہیں۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔(اسدالغابہ جز ثالث،ص۱۲/ الاصابہ،ص۱۷۳، ج۲)